غربت کے کئی چہرے

تالیف : محمد یُونس

ترجمہ : قاضی جاوید

مشعل

Mashaalbooks.org

غربت کے کئی چہرے

تالیف: محمد یونس

ترجمہ: قاضی جاوید

مشعل

آر-بی 5 ' سیکنڈ فلور' عوامی کمپلیکس

عثمان بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن' لاہور 54600 ' پاکستان

MashalBooks.org

غربت کے کئی چہرے

تالیف: محمد یونس

ترجمہ: قاضی جاوید

کاپی رائٹ(c)انگریزی-1987 گرامین بینک، بنگلہ دیش
کاپی رائٹ(c)اردو–1997 مشعل

ناشر: مشعل
آر-بی-5، سیکنڈ فلور،
عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور-54600، پاکستان

MashalBooks.org

مندرجات

پیش لفظ	حسین مجروح	5
دیباچہ	محمد یونس	11
بیل ٹال کی زرینہ		22
بختاور کی کہانی		34
تقدیر کی ماری مایا رانی		83
پھول جان کی زندگی		95
محفل کا گھر		117
زلیخا کی موت		129
حلیمہ کی آس		141
شماری کی خوشیاں		151
ماریا کا حال		169

MashalBooks.org

جمنا کے انداز	180
محنت کش گھریلو عورت	194
رابعہ کی زندگی	205
دکھوں کی بیٹی	219
تارا	231
آسیہ کی نجات	246

MashalBooks.org

پیش لفظ

معجزے خدائی بھی ہوتے ہیں اور انسانی بھی ۔خدائی معجزے صراحت کے طلب گار ہوتے ہیں نہ ان کے برپا ہونے میں آدمی کی صوابدید کو دخل۔ البتہ انسانی دل و دماغ سے نمودار ہونے والے معجزوں پر مکالمہ بھی ہوسکتا ہے اور ان کی پلکوں پر استفادے کے چراغ بھی جلائے جا سکتے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ نوع انسانی کی غالب تعداد لگے بندھے معمول کے مطابق زندگی گزارنے کے باوصف، قدم قدم پر معجزوں کی متلاشی ہوتی ہے۔ موجود سے نامطمئن رہنا، آدمی کی گھٹی میں پڑا ہے لیکن ہیئت موجودہ کی رسی تڑا کر کسی موہوم امکان کو کھوجنا، ہر کسی کے بخت میں نہیں ہوتا۔

انسانی تجربہ ایک ایسا بینک ہے جس میں جستجو کی پونجی سے جو چاہے کھاتہ کھول سکتا ہے۔ البتہ انسانی معجزہ محض جستجو کے بل پر رونما ہوتا ہے نہ آرزو کے لاسے۔ یہ کہیں بھی ہوسکتا ہے اور کسی کے ہاتھوں سے۔ محنت اور ارادہ شرط سہی لیکن سبھی کے بوئے ہوئے بیج برگ و بار کب لاتے ہیں۔ انسانی معجزہ ہر روز، ہر جگہ نہیں ہوتا کہ اسے معمول و موجود سے چڑ ہے۔ ایک مدت سے ہماری سرزمین معجزوں سے خالی ہو چکی ہے لیکن اسی دب اکبر کے ٹوٹے ہوئے تارے میں، ایک ایسا معجزہ ظہور میں آچکا ہے جس کی چکا چوند سے ہم تو خیر کیا مرعوب ہوتے (کہ ایک مدت سے ہم نے خدائی معجزوں سے مرعوب ہونے کا کام بھی خدا پر ہی چھوڑ رکھا ہے) لیکن اس کرشمے نے دنیا بھر کے مالیاتی نظاموں کو اچنبھے میں ڈال رکھا ہے۔ عالمی اقتصادیات کے وہ سامری جنہیں تیسری (اور چوتھی) دنیا کے درماندگان کی نجات کے لئے بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کے تجویز کردہ نسخہ ہائے شفا کے سوا کوئی سبیل نظر نہیں آتی، گرامین بینک کے معجزے سے انگشت بدنداں ہیں۔

MashalBooks.org

سرمایۂ بھرے پیٹ کا چوہا ہوتا ہے جو خالی بھڑولے میں مینگنیاں بھی نہیں ڈالتا۔
سود اور خود غرضانہ منفعت پر مبنی بینک کاری نظام کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ پیاس سے جاں بہ لب شخص کے لئے یہ پانی کے ایک قطرے کا روادار نہیں ہوتا جبکہ اپھارے سے پھولی ہوئی توند پر پوری چھاگل الٹا دیتا ہے۔ ایسے میں افتادگان خاک کی مسیحائی کون کرے۔ آسمان ان سے خفا‘ زمین ان سے بیزار۔ ویسے بھی محرومیوں اور فاقہ مستیوں کو مقدر کی بیاض میں لکھ دینا اور اگلے جہاں میں صبر کا میٹھا پھل چکھنے کی تسلی‘ صدیوں تک ان کے پرکھوں کا شیوہ رہا ہوتا ہے‘ سوطمع (یعنی حالت بدلنے) اور بے صبرے پن میں وہ نا خلف کیوں ٹھہریں۔

چند استثنائی صورتوں کے سوا‘ پس ماندہ ممالک کے تعلیمی نظام‘ اس طور مرتب کئے جاتے ہیں کہ دانش گاہیں‘ کیچوے سازی کے مراکز بن جاتی ہیں۔ کیچوے جنہیں زمین پر رینگنا مرغوب ہوتا ہے اور جو کچلے جانے کے قوی امکان کے باوجود سر اٹھا کر چلنے کی توفیق نہیں رکھتے۔ تاہم قدرت کا اپنا نظام الاوقات ہے۔ جس طرح فرعون (رامیسس ۲) کی ہر ممکن پیش بندی کے باوصف‘ موسیٰؑ کی پرورش اس کے اپنے محل میں ہوئی‘ اسی طرح تدریسیت کی کیچوے سازی سے کبھی کبھار‘ شہباز بھی نمودار ہو جاتے ہیں جن کی اڑان تیز اور نگہ بلند ہوتی ہے اور جو افکار تازہ سے وطن کی کشت ویراں کو اس طرح سیراب کرتے ہیں کہ صدیوں محو ہو جاتی ہیں۔ ڈاکٹر محمد یونس ایک ایسے ہی عبقری ہیں جنھوں نے گرامین بنک کے ذریعے بنگلہ دیش کی محروم طبقوں خصوصاً خواتین کی اقتصادی خوش حالی اور سماجی ترقی کا خواب دیکھا اور اسے سچ کر دکھایا۔

بنگلہ دیش ایسی نچلی سطح کی معیشت اور دقیانوسی معاشرت میں غربت کی انتہائی لکیر‘ 1975ء میں آج کی نسبت بے حد شرم ناک تھی۔ محدود ذرائع آمدنی‘ کثرت اولاد‘ آئے دن طوفانوں اور غیر مستحکم سیاسی صورت حال نے غریبوں کے لئے موعودہ سونار بنگلہ کے چہرے پر مایوسی کی بھوبل مل دی تھی۔ محروم طبقات کی خواتین کو دوہرے استحصال کا سامنا تھا۔ کم عمری میں شادی، کثیر العیالی اور کم خوراکی کے علاوہ ان کے لئے آزادانہ محنت کے مواقع اور پیداواری ذرائع نہ ہونے کے برابر تھے۔ ظاہر ہے ایک روائتی اور پس ماندہ معاشرے میں اس سے مختلف صورت حال کی توقع بھی کیسے کی جا سکتی تھی۔ دوسری جانب‘ مروجہ بنکاری

MashalBooks.org

نظام یا دیگر اداراتی ذرائع میں غریبوں کی مالیاتی ضروریات کا کوئی اہتمام تھا نہ گنجائش۔

ڈاکٹر محمد یونس نے 1975ء میں چٹا گانگ یونیورسٹی کے قریبی گاؤں' جوبرا میں غریب عورتوں کی اقتصادی حالت اور کارکردگی کے بارے میں ایک جائزہ مرتب کیا تو صورت حال کی سنگینی ان پر مزید واضح ہوئی۔ اول تو خواتین کے لئے آمدنی کے آزادانہ مواقع ہی میسر نہ تھے لیکن جنہوں نے ہمت کر کے یا بامر مجبوری' گھریلو ہنر (مثلاً ٹوکریاں بنانا وغیرہ) کو محدود تجارتی پیمانے پر اختیار کیا' ان کی محنت اور ہنر کا بیش تر ثمر بھی بیوپاری ہی ہڑپ کر جاتے۔ یہ خواتین اپنی تیار کردہ اشیاء ان بیوپاریوں کے ہاتھ فروخت کرنے پر اس لئے بھی مجبور تھیں کہ ذاتی سرمائے کے فقدان کے باعث انہوں نے خام مال یا اپنی دیگر ضروریات کے لئے بیوپاریوں سے پیشگی رقوم لی ہوتی تھیں۔ ڈاکٹر یونس ایسے دردمند اور تخیل شعار شخص کے لئے یہ صورت حال نا قابل برداشت تھی۔ چنانچہ 1976ء میں انہوں نے جوبرا ہی کے مقام پر قلیل سرمائے اور محدود پیمانے پر گرامین بنک پراجیکٹ کی داغ بیل ڈالی جس کے تحت بے زمین اور قلاش دیہاتیوں (مردوں اور عورتوں) کے روزگار اور اقتصادی حالت کے سنوارنے کے لئے سرمایہ اور مشاورت فراہم کرنے کا بندوبست کیا گیا۔

ایک ایسے ملک میں جہاں شرح خواندگی بیس فی صد سے زائد نہ ہو اور آبادی کا معتدبہ حصہ غربت کی انتہائی لکیر سے بھی نیچے زندگی کو گھسیٹ رہا ہو' گرامین بنک ایسا منصوبہ' محض دیوانے کی بڑ دکھائی دیتا ہے۔ تاہم خلوص اور مقصد پر یقین' دو ایسے ہتھیار ہیں جن سے چٹانوں کا سر قلم اور سمندروں کا غرور منہدم کیا جا سکتا ہے۔ طے شدہ منصوبے کے مطابق انفرادی ضرورتوں کو پورا کرنے کی بجائے اس امر کا اہتمام کیا گیا کہ پانچ سے دس افراد کا ایک گروپ بنا دیا جائے جو مقامی طور پر اپنی ضروریات کا تعین کرے اور اپنے ارکان کی اقتصادی سرگرمیوں کے لئے درکار سرمایہ (جو بیشتر حالتوں میں چند سو ٹکے ہوتا) فراہم کرے۔ شخصی ضمانت پر فراہم کردہ ان محدود قرضوں کی ادائیگی اور اس کی وصول یابی بھی گروپ کے فنڈ ہی کی سطح پر ہفتہ وار قسطوں میں ایک سال کے اندر کرنی ہوتی۔ چونکہ اس بنک کے قرضوں کا انتظام بھی انہی کے ہاتھ میں تھا جو براہ راست اس کے سرمائے سے مستفید ہوتے' لوگوں کے بجائے۔ ہر ہفتے بنک خود چل کر' مقررہ جگہ پر ان کی ضرورتوں کا جائزہ لینے اور مطلوبہ سرمایہ فراہم کرنے کے لئے موجود ہوتا۔ (کاغذی کارروائی سے نجات

MashalBooks.org

اس پر مستزاد تھی) یہ تجربہ انتہائی کامیاب رہا اور محض چھ سات سال، یعنی اکتوبر 1983ء تک گرامین بینک پچاس ہزار سے زائد بے زمین غریبوں میں 160 ملین ٹکا (بنگلہ دیشی روپیہ) کے قرضے تقسیم کر چکا تھا جن میں عورتوں کا تناسب 40 فیصد تھا۔ تجارتی بینک کاری کے مسلمہ معیارات بالکل برعکس، گرامین بنک کے نادہندگان کی شرح ایک فی صد سے بھی کم ہے جو قرضوں کی لغت میں حیران کن بات ہے۔ بنک کاری کی تاریخ میں اس انوکھے تجربے کی کامیابی کے سات سال کے اندر ہی اس پراجیکٹ کو ایک مکمل بینک کی شکل دے دی گئی جس کے ساٹھ فیصد حصص حکومت کے پاس جبکہ چالیس فی صد بے زمین لوگوں کے پاس ہیں۔ اس تجربے کی کامیابی اور پھیلاؤ کا اندازہ اس امر سے لگایئے کہ بیس سال کے عرصے میں اس کا دائرہ کار بنگلہ دیش کے کونے کونے میں پھیل گیا اور روز بہ روز اس کی بچتوں، اس سے مستفید ہونے والوں اور ملکی معیشت کے فروغ اور استحکام میں گرامین بنک کسی اور ادارے کی نسبت زیادہ فعال کردار ادا کیا ہے۔

زیرِ نظر کتاب گرامین بینک کے سرمائے اور امداد سے مستفید ہونے والی چند خوش نصیب خواتین کی آپ بیتیوں پر مشتمل ہے جن کی محرومیوں اور دکھوں کی بے صدا راتوں کو گرامین کے اجالے نے جگمگا دیا۔ یہ کہانیاں ایک طرف غربت، طبقاتی ناہمواری اور استحصال کے مارے ہوئے بنگلہ دیشی معاشرے کا بھیانک چہرہ دکھاتی ہیں تو دوسری طرف ایک ایسے خوش کن منظرنامے سے روشناس کراتی جسے پڑھ کر زندگی پر ہمارا ڈولتا، جمتا ایمان مستحکم تر ہو جاتا ہے اور غریبوں کا عجز ان کے اعتماد کا اعجاز ہو جاتا ہے۔

بنگلہ دیش کی نسبت پاکستان کی معیشت اور معاشرت کہیں زیادہ پیچیدہ اور ناہموار ہے۔ یہاں بیسویں صدی کے پس خوردہ تیکنیکی مظاہر کے پہلو بہ پہلو قبل مسیح کی تہذیبی اور اقدار بھی مروج ہیں اور اٹھارویں/انیسویں صدی کے پیداواری رشتے بھی۔ دور تک پھیلے ہوئے غربت اور جہالت کے صحرائے گوبی میں مصنوعی خوش حالی کے ایسے نخلستان بہ کثرت ملتے ہیں جہاں بیل گاڑی، پجیرو کی منزل کھوٹی کرتی ہے۔ جاگیری تام جھام پر استوار پاکستانی معاشرے میں جہاں وسائل پر دسترس کی بالائی اور زیریں انتہا، دنیا کے بیش تر ممالک کو شرم سار کرتی ہے، گرامین ایسے معجزے کی رونمائی بہت پہلے ہو جانی چاہئے تھی۔ پاکستان جو اپنی پچاس سالہ زندگی میں سیاست اور معیشت کے میدانوں میں بے شمار الٹے سیدھے تجربوں

کی آماج گاہ رہا ہے' اگر اپنے نصیب کا گرامین سورج طلوع نہیں کر پایا تو اسے قومی بدقسمتی کے سوا اور کیا نام دیا جا سکتا ہے (اب کہیں لاہور میں اور خیر پور سندھ میں متحرک غیر سرکاری تنظیموں نے گرامین کی طرز پر محروم و پس ماندہ عورتوں کی خود کفالت کے لئے چھوٹے موٹے قرضوں کا ڈول ڈالا ہے۔ دیکھیں مفاد وابستہ اور عناد پیوستہ کے ہاتھوں، اس قطرے کو گہر بننے کی مہلت ملتی ہے کہ نہیں۔)

ایک ایسے ملک میں جہاں بچتوں کی شرح مجموعی قومی پیداوار کا صرف تیرہ (13) فیصد ہو آبادی کا نصف سے زائد حصہ صاف پانی کی نعمت سے محروم ہو' چالیس (40) فی صد بچے شیر خواری کی عمر میں دنیا سے روٹھ جاتے ہوں (اس کے باوجود آبادی میں شرح نمو باقی دنیا سے فزوں تر ہو) اور حقیقی شرح خواندگی دس بارہ فی صد سے متزادنہ ہو' بے صدا زندگیوں کے لئے گرامین بینک ایسے بے نفس تجربے کی افادیت دو چند ہو جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ یہاں چھوٹے قرضوں کی روایت نہیں رہی۔ اگرچہ پہلے دو عشروں میں بھی حکومتی سطح پر ناداروں کی اشک شوئی کے لئے کچھ نہ کچھ اداراتی قرضوں/اشک شوئی کا اہتمام کیا گیا لیکن ستر کی دہائی میں پہلی بار تجارتی بینکوں کے ذریعے چھوٹے دکانداروں اور مصنوعاتی آجروں کے لئے بڑے پیمانے پر قرضوں کا اہتمام کیا گیا۔ بعد ازاں زرعی شعبے میں بھی چھوٹے کاشتکاروں (بشمول مزارعین) کے لئے پیداواری قرضوں کے بلا سود اجراء کو تجارتی بینکوں کے لازمی اہداف کے طور پر نافذ کیا گیا۔ اسی سطح بے روزگار نوجوانوں کے لئے مختلف حکومتوں نے' اپنے اپنے ادوار میں خود کفالتی /روزگاری قرضوں کی داغ بیل ڈالی۔ لیکن دفتری کاروائیوں، بدعنوانی، اقربا پروری اور مشنری جذبے کی عدم موجودگی کے باعث، ان تمام فلاحی اقدامات کے اثرات و افادیت نہ صرف محدود رہی بلکہ بعض صورتوں میں منفی ردعمل کا موجب بھی۔ دیہات کی سطح پر' جاگیردارانہ سوچ اور برادری ازم کے باعث، امداد باہمی کے ادارے بھی اس انقلاب کے پیشوائی میں ناکام رہے جو محروموں کے لہو ان کے لئے کھاد کر دیتا۔ شاید معجزے اور انقلاب حکومتی سرپرستی کے بجائے عاشقی کے طلب گار ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد یونس اور انکے گرامین بنک نے تو یہی ثابت کیا ہے۔

کتاب کے مترجم' قاضی جاوید' فلسفے کے علاوہ سماجی عمرانیات پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں۔ بلاشبہ ان کا شمار' اردو کے ان گنے چنے نثر نگاروں میں کیا جا سکتا ہے جو معروضی حقائق

MashalBooks.org

اور جدید علوم کے بیانیہ میں بلاغت، کشاد اور روانی کے ستارے اس مہارت سے جڑتے ہیں کہ پوری عبارت کہکشاں ہو جاتی ہے۔ زیرِ نظر کتاب کے ترجمے میں بھی موصوف نے اسی ہنر مندی کا ثبوت دیا ہے۔ پوری کتاب پڑھ جایئے مجال ہے کہیں دم رکے یا نظر کسمائے۔ ادارہ مشعل بھی مبارک باد کا مستحق ہے کہ اس نے اردو دان قارئین کی ذہنی غذا کے لئے ایک ایسی کتاب کا اہتمام کیا جو معجزے برپا کرنے کی لہک کو ہوا دیتی ہے۔

حسین مجروح

لاہور

MashalBooks.org

دیباچہ

اس کتاب میں بنگلہ دیش کی چند غریب عورتوں کی کہانیاں بیان کی گئی ہیں۔ ایک لحاظ سے یہ سب ہماری جانی پہچانی عورتیں ہیں۔ ڈراموں، فلموں، ناولوں اور کئی دوسرے حوالوں سے ہم ان کو جانتے ہیں۔ شاید ذاتی طور پر بھی ہم ان سے بے خبر نہیں ہیں، یا کم از کم ہمارا خیال ہے کہ وہ ہماری شناسا کردار ہیں۔ آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم عمر رسیدہ رضیہ سے بے خبر ہوں جو ہر روز برتن مانجھنے، کپڑے دھونے اور صفائی کرنے ہمارے گھر آتی ہے۔ جواں سال حمیدہ سے بھی ہم ناواقف نہیں جو بچے کو گود میں اٹھائے ہر روز ہماری سیڑھیوں پر بیٹھ جاتی ہے اور جس کو اٹھانے کے لئے کم و بیش روزانہ ہی ہمیں ڈانٹ ڈپٹ کرنا پڑتی ہے۔ (کیونکہ ہمیں خدشہ ہوتا ہے کہ ہمارے لاڈلے کہیں اس کے میلے کچیلے بچے سے کھیلنا نہ شروع کر دیں)۔

ہم ان عورتوں کو بھی جاننے کا دعوی کرتے ہیں جو رمضان کے مہینے میں خیرات مانگنے ہمارے دروازے پر جمع ہو جاتی ہیں یا پھر عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کا گوشت لینے کے لئے ایک دوسرے کو دھکے دیتی ہوئی ہم تک پہنچنے کی کوشش کرتی ہیں۔ شاید ہم اس عورت کو بھی جانتے ہیں جو ایک چاند سا بچہ گود میں اٹھائے نظر آتی ہے اور جس کو دیکھ کر کئی قسم کے شبے ہمارے دلوں میں سر اٹھاتے ہیں۔

بلاشبہ ہم ان سب عورتوں کو بخوبی جانتے ہیں۔ وہ دیہات سے آتی ہیں اور شہروں میں مسائل پیدا کرتی ہیں۔ ہم اکثر شکایت کرتے ہیں کہ آخر حکومت شہروں میں ان کا داخلہ کیوں بند نہیں کرتی؟ (ان کا داخلہ بند ہو جائے تو کیا واقعی ہمیں خوشی ہو گی؟)

ان عورتوں سے ہمارا تعلق بس میکانکی سا ہوتا ہے۔ ان میں سے کسی کو بھی فرد کے طور پر جاننے کا ہمیں موقع نہیں ملتا۔ ان میں سے بعض ہماری دور کی رشتہ دار بھی ہو سکتی ہیں۔

Mashalbooks.org

ممکن ہے کہ ان میں سے کسی کا بچپن میں دل و جان سے ہماری دیکھ بھال کی ہو۔ پھر بھی ہم نے کبھی یہ جاننے کی تکلیف گوارا نہیں کی کہ رضیہ کہاں سے آتی ہے' کیا اس کا کوئی گھر بار ہے؟ یوں یہ جانے پہچانے لوگ ہمارے لئے ہمیشہ اجنبی رہتے ہیں۔ چند پیسوں کے عوض وہ ہماری خدمت کرتے ہیں۔ ہماری جلی کٹی باتیں برداشت کرتے ہیں۔ شاید اسی لئے ہم کو یقین ہوتا ہے کہ ہم سماج میں ان لوگوں کے کردار کے بارے میں ہر قسم کی جھوٹی سچی کہانیاں گھڑنے کا پورا حق رکھتے ہیں۔ یوں ان کو بخوبی جاننے، کی آڑ میں ضمیر کی کسی خلش کے بغیر' ہم اپنے سماجی ڈرامے میں مردہ سپاہیوں کا کردار ان پر تھوپ دیتے ہیں اور اپنی پسند کے لیبل اپنے ماتھے پر لگا لیتے ہیں۔

اس کتاب کی زرینہ سے ملنے کا موقع ہمیں بنگلہ دیش کے گرامین (دیہی) بنک پراجیکٹ نامی ایک خصوصی منصوبے کی سرگرمیوں کے حوالے سے ملا۔ یہ منصوبہ دیہی غریبوں تک بینکاری کی سہولتیں پہنچانے کی غرض سے شروع کیا گیا ہے۔ زیر نظر کتاب میں جن دوسری عورتوں کی کہانیاں بیان ہوئی ہیں' ان سب سے بھی ہمارا تعلق اسی منصوبے کے سبب بنا۔ ان عورتوں نے گرامین بینک سے چھوٹی موٹی رقوم کے قرضے لئے اور اپنا مقدر بدلنے کی جدوجہد کی۔

ہم اصل میں یہ جاننا چاہتے تھے کہ آیا اس منصوبے کے تحت بینک سے رقم حاصل کرنے والی عورتوں کو کوئی فائدہ پہنچا ہے' ان کو قرضے کی واپسی میں مشکلات تو پیش نہیں آتیں اور یہ کہ رقم کی سرمایہ کاری میں ان کو کس قسم کی رکاوٹوں کا سامنا رہا ہے۔

اس مقصد کے پیش نظر ہم نے ایک تحقیقاتی مطالعے کا پروگرام بنایا۔ اس مطالعے کا بنیادی اصول یہ طے کیا گیا کہ ہم ان عورتوں کا جائزہ محض بنک کے قرضدار کے طور پر نہ لیں گے بلکہ ایک جیتے جاگتے انسان' ایک خاندان کی فرد اور سماج کی رکن کے طور پر ان کو دیکھنے کی کوشش کریں گے۔

اس مطالعاتی منصوبے کے تحت مرد اور خاتون قرضداروں کے کوائف جمع کئے گئے۔ یوں یہ چھوٹا سا مطالعہ ہمارے بے رحم معاشرے کی ایک واقعاتی دستاویز بن گیا۔ اس سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی فرد کی زندگی میں ایسی مثبت تبدیلیاں پیدا کرنا کس قدر آسان ہے جو بظاہر ناقابل یقین محسوس ہوتی ہیں۔ ان سچی کہانیوں نے ہمارے کئی پرانے اور گہرے

MashalBooks.org

عقیدے الٹ پلٹ دیئے۔ مثال کے طور پر ہم ہمیشہ سے یقین کرتے چلے آئے ہیں کہ غریب لوگ جاہل اور بے ہنر ہوتے ہیں۔ ان کو اپنی حالت بہتر بنانے میں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ وہ حال مست رہتے ہیں اور قدم بقدم آگے بڑھنے کے لئے درکار صبر و استقامت سے محروم ہوا کرتے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب میں شامل تمام کہانیاں اس حقیقت کی نشاندہی کرتی ہیں کہ اگر غریب لوگوں کو تھوڑی بہت مالی امداد میسر آ جائے تو وہ اپنی زندگیوں میں نا قابل یقین حد تک خوش گوار تبدیلیاں پیدا کر سکتے ہیں۔ چنانچہ جن عورتوں کی کہانیاں ہم نے بیان کی ہیں وہ محض پانچ سو یا ہزار روپے حاصل کر کے اپنا مقدر بدلنے میں کامیاب ہوگئیں۔ ان میں سے بعض دھان صاف کر کے چاول حاصل کرنا چاہتی تھیں۔ بعض مٹی کے برتن بنانے کی آرزومند تھیں اور بعض کی خواہش گائے خریدنا تھی۔ ان میں سے کسی کو بھی خصوصی تربیت کی ضرورت نہ تھی، کیونکہ روزمرہ کے معمولات یا محنت مزدوری کرتے ہوئے تربیت ان کو پہلے ہی حاصل ہو چکی تھی۔ ان کو تو بس سرمایہ چاہیئے تھا، لیکن ریاست ان کو یہ سہولت مہیا کرنے پر آمادہ نہ تھی؛ حالانکہ یہ عورتیں امدادی رقم واپس کرنے پر تیار تھیں۔ ذرا اندازہ تو کیجئے کہ یہ صورت حال اس وقت تھی جب کہ حکومتوں کو غربت کے خاتمے کے منصوبوں پر عمل کرنے کے لئے ہر سال اربوں ڈالر کی غیر ملکی امداد مل رہی تھی۔

غربت کا خاتمہ اور روزگار کے مواقع کی فراہمی ہماری ترقیاتی منصوبہ بندی کے دو بنیادی مقاصد ہیں۔ اس تصور کی اکثر اوقات وکالت کی جاتی ہے کہ عام لوگوں کو روزگار مہیا کر کے غربت کے خلاف جنگ جیتی جا سکتی ہے۔ بظاہر یہ بات درست معلوم ہوتی ہے۔ تاہم غور فکر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی ترقیاتی پالیسی غربت کو ختم نہیں کرتی بلکہ اس کے تسلسل کا باعث بن جاتی ہے۔

اس نکتے کی وضاحت کے لئے ''خوراک برائے محنت'' کے پروگرام کی مثال لیجئے اس پروگرام کے تحت اگر کسی شخص کو سال بھر کے لئے روزگار مل جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سال بھر اس کو دو وقت کی روٹی ملتی رہے گی۔ لیکن یوں اس کی غربت تو دور نہیں ہوگی۔ اس کے برعکس اگر اسی شخص کو سال بھر یومیہ اجرت کے طور پر گندم دینے کے بجائے سال کے آغاز میں پورے سال کی گندم کی قیمت کے مساوی رقم دے دی جائے تو وہ کسی نہ کسی طور اس

MashalBooks.org

رقم کی سرمایہ کاری کر سکے گا۔ یوں نہ صرف اس کو دوٹائم کی روٹی میسر آتی رہے گی بلکہ اپنے لئے معاشی بنیاد بھی بنا سکے گا۔

غربت کے خاتمے کے لئے بڑی بڑی صنعتوں کے قیام کی وکالت کرنے والے بھی کم نہیں ہیں۔ بلاشبہ ایسی صنعتوں کے قیام سے روزگار کے موقع بڑھ جاتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اضافہ کس قدر ہوتا ہے اور کن لوگوں کے لئے ہوتا ہے؟ آبادی میں بے پناہ اضافہ کے باعث ہمارے ہاں روزگار کے متلاشی افراد کی تعداد میں ہر سال لاکھوں کا اضافہ ہورہا ہے۔ تو کیا ہم ایسی صنعتیں مسلسل قائم کر سکتے ہیں جو ان لوگوں کو روزگار دے سکیں؟ الہ دین کے کسی چراغ کی مدد سے ہم یہ صلاحیت حاصل کرلیں تو بھی کیا ہم غربت کو کم کر سکیں گے؟ اس بارے میں سوچنا ضروری ہے' کیونکہ یہ امکان بھی موجود ہے کہ ان صنعتوں میں کام کرنے والے محنت کش بھوک کی بلا کو دور رکھنے کی خاطر محنت تو کرتے رہیں گے' مگر اس سے نجات نہ پاسکیں گے۔ ان میں سے اکثر اپنے خاندانوں کو آبائی دیہات میں چھوڑ کر شہروں کو مسکن بنائیں گے اور کچی بستیوں میں غیر انسانی حالات کے جبر کا شکار ہو جائیں گے۔

معاملہ یہ ہے کہ غربت کے خاتمے کی پالیسی روزگار کے مواقع کی فراہمی کی پالیسی سے کہیں زیادہ وسیع اور گہری ہونی چاہئے۔ اس پالیسی کا مطمح نظر یہ ہونا چاہئے کہ فرد کو اس کے مقدر کا مالک بنایا جائے۔ اس پالیسی کو لازماً سماجی' معاشی اور سیاسی پالیسیوں پر محیط ہونا چاہئے۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جب کبھی ہم اپنی روز افزوں آبادی کو روزگار مہیا کرنے کے منصوبے بناتے ہیں تو لاشعوری طور پر ہماری توجہ مردوں پر مرکوز رہتی ہے۔ یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ کم از کم معاشی حوالہ سے عورتیں معاشرے کا غیر ضروری حصہ ہیں۔ وہ بے چاری غریب بھی ہوں تو پھر وہ کسی معاشی منظر میں نمایاں نہیں ہوتیں۔ سسرالی عزیزوں یا پھر اپنے آجروں کے ظلم وستم سہنے کے لئے ہی پیدا کی گئی ہیں۔ اس کے باوجود کوئی گھریلو کام کاج ایسا نہیں جو وہ جانتی نہ ہوں یا کرتی نہ ہوں۔

گھریلو کام کاج کرتے ہوئے عورتیں جو مہارت حاصل کرتی ہیں۔ اس کو آسانی سے آمدنی کا وسیلہ بھی بنایا جا سکتا ہے۔ گھر میں پکائی جانے والی اشیا جیسے چائے، سموسے مٹھائیاں وغیرہ بازار میں آسانی سے بک سکتی ہیں۔ اس طرح سینے پرونے کی مہارت عورتوں

MashalBooks.org